© rasailojaraid.com

آئیے ! اور پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ اُٹھیئے، تجدید عہد کیجئے کہ جب تک اس ملک میں صحیح اسلامی نظام کا نفاذ نہ کرلیں گے۔ اس وقت تک ہماری زندگیاں ہم پر حرام ہیں۔ اگر پاکستان اسلامی نظامِ حیات سے ہم کنار نہ ہوا تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو تباہی سے بچا نہیں سکتی۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا، پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا!

اعترافِ عظمت

آج دُنیا ترستی ہے

میں نے اپنی اسّی سالہ زندگی میں درجنوں بڑے بڑے خطیبوں کو سُنا لیکن حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری کا مثیل نہ دیکھا نہ سُنا۔ وہ آیات یا اشعار پڑھتے تو فضا جھوم اُٹھتی۔ وہ متبحر عالم بھی تھے اور شگفتہ مزاج ادیب بھی، وہ دلچسپ حکایات سے دلچسپ نتائج اخذ کرتے تھے اور علمی نکات اور لطائف کے امتزاج سے خطابت میں انتہا درجہ کی تازگی و شگفتگی بھر دیتے تھے۔ ان کی ساری زندگی لوگوں کو اللہ کی طرف بُلاتے اور مرزائیوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد میں بسر ہوئی۔ تزکیۂ نفس اور مرزائیت آپ کے خاص موضوع تھے ـــــ آج دنیا اس سلاست، حلاوت اور فصاحت کو ترس رہی ہے جو شاہ جی دنیا میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ (ڈاکٹر غلام جیلانی برق مرحوم "میری داستانِ حیات")

صدائے مجذوب (سیّد حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ)

زلفیں ہوں گی شانے ہوں گے — کہیں کہیں افسانے ہوں گے
دین اور مذہب کے مرقد پر — شمعیں اور پروانے ہوں گے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روشن ستارہ

سید محمد ذوالکفل بخاری

آسماں کی کھیتی اپنی بے کراں وسعتوں میں لہلہاتی، جھلملاتے تاروں کی فصل کے انگ انگ سے پھوٹتے ہوئے شباب نور سے حظ اٹھانے میں غلطاں تھی۔ رات کا پچھلا پہر تھا اور میں صحن میں بیٹھا آسمان کی قبائے نیلگوں سے پھوٹ پھوٹ کر آنے والے ستاروں کی روپہلی روشنی اور چاند کی کیف آور چاندنی کے سنگم سے فضا پر طاری نورانیت کے طفیل ایک روشن روشن ورق پر، اپنے دیرینہ رفیق، اپنے قلم کی رفاقت میں دل زنگاہ کی سلمانی کے ایک آفاقی مبلغ کی یادوں بھری باتوں اور باتوں بھری یادوں کو رقم کرنے میں مصروف تھا کہ نہ معلوم کب نند یا پور کے ہرکاروں نے مجھے اغوا کر لیا۔

اچانک کسی نے میرے قریب آ کر کہا بیٹا! صبح ۲۱ اگست ہے نا! آواز کی شفقت و ملائمت اور لہجے کا شکوہ، میرے رگ و پے میں عقیدت و احترام کا رس گھولتا چلا گیا۔ میں نے پلٹ کر کہنے والے کو دیکھنا چاہا، مگر نگاہیں اس پیکرِ نورانی کے جلوے کی تاب نہ لا سکیں تو ریاض خیر آبادی نے بر وقت مدد کی۔

نگاہ برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں   یہ آدمی ہے مگر، دیکھنے کی تاب نہیں۔

میں نے جھکے ہوئے سر کو ذرا اوپر کیا اور کہا ہاں! بابا جی، صبح ۲۱ اگست ہی ہے۔ مگر آپ ..... میرا سوال ابھی تشنۂ تکمیل تھا کہ اُس نے جواب دیا کہ ہاں ہاں میں یہ بھی بتاؤں گا کہ ۲۱ اگست سے میرا کیا تعلق ہے؟ پہلے یہ بتاؤ کہ صبح تم کیا کرو گے؟ اور یہ رات گئے تک بیدار کیوں رہے؟ میں نے عرض کی کہ حضرت! صبح میرے دیس کے ایک بطلِ جلیل کا یوم وفات ہے جس نے نصف صدی تک میری قوم میں حرارتِ ایمانی کی دولت نایاب کو بے دریغ تقسیم کیا اور جو ..... میں کچھ اور کہنا چاہ رہا تھا کہ بزرگ پھر بولے اچھا، تو تم اُس شخص پر مضمون لکھو گے؟ اور کسی مجمع میں داد پانے کے لئے اپنے مضمون کو بڑے خطیبانہ ڈھنگ سے سنا ڈالو گے؟ میرے چہرے کے تاثرات ..... سے اثبات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جواب پاکر اُس نے کہا کہ مجھے سناؤ گے؟ جو تم نے لکھا ہے! اور — میں عہدِ حاضر کے ہر قلم کار کی طرح جو اپنی تخلیقات کسی نہ کسی کو سنانے کے لیئے باؤلا سا پھرا کرتا ہے، فوراً راضی ہو گیا۔ پھر میں نے کہنا شروع کیا کہ

"تواریخ انقلاباتِ عالم اس بات کی عظیم الشان شاہد ہیں کہ جب بھی کسی معاشرے میں اس کی تمدنی، تاریخی ثقافتی اور تہذیبی حقیقتوں سے کنارہ کشی کا رجحان بڑھنے لگے تو اس معاشرے کا ارتقا لازماً موقوف ہو جاتا ہے اور پھر جوں جوں قوم کے اس روش پر چل نکلنے کے عمل میں تیزی آتی ہے تو اس قوم کے من حیث المجموع زوال کی وادیٔ ظلمت کی طرف بڑھتے ہوئے قدم بھی اسی سرعت و شدت کے ساتھ اُس قوم کو اس کے انجام سے ملا دینے کے لیئے رواں دواں ہو جاتے ہیں۔ اور پھر بالآخر دیکھتی آنکھیں اور سوچتے ذہن اس انجام کو حقیقت ماننے پر مجبور ہوتے ہیں مگر ایک اضطراب کے ساتھ! لیکن پھر وہی انجام ایک آغاز کو جنم دیتا ہے۔ یہ آغاز دراصل اُسی اضطراب کا نقشِ اوّل ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ پلک جھپکنے میں نہیں ہو جاتا کہ جسے مفکر کے فکر، مصنف کی تصنیف، مؤلف کی تالیف، خطیب کے خطاب، شاعر کے اشعار، مغنی کے نغمے، مجذوب کی بڑ، فقیر کی صدا، سخن ور کے تخیّل یا ادیب کے ادب پاروں میں سمویا یا پایا جا سکے بلکہ اس کی تفہیم و تشریح کے لئے ایک مطالعاتی و مشاہداتی سفر درکار ہوتا ہے۔ یہ سفر جو قوموں کے خوابیدہ دل و دماغ میں انقلاب کی بنیاد رکھتا ہے۔ یہ سفر صدیوں پر محیط بھی ہو سکتا ہے۔ اور برسوں میں منتج بھی۔ یہ سفر دلچسپ بھی ہوتا ہے اور کٹھن بھی۔ امید و نومیدی، آس و یاس اور جانکنی و جاں نثاری اس سفر ہی کی کیفیات ہیں۔ دورانِ سفر کچھ مرحلے ایسے بھی آتے ہیں کہ جب ولولے وسوسوں کی نذر ہو جاتے ہیں اور کبھی خدشات و موانعات حوصلوں کے مقابل ہیچ نظر آنے لگتے ہیں۔ اور پھر ایسے میں خلاقِ اعظم و ربِ کائنات کوئی جو روشن ستارہ انسانی پیکر کی صورت میں وہاں وارد کرتا ہے۔ جو ان میں خودی اور خود آگہی کا بیج بوتا ہے اور جو اپنے خون سے، ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا سے بے پروا ہو کر اس بیج کی آبیاری کرتا ہے۔ تب — وہ ہمہ انتظار بن جاتا ہے اُن لمحوں کے لیئے کہ جس سمے یہ مژدۂ جانفزا اس کے دل و دماغ کی پنہائیوں اور رُوح کی گہرائیوں تک میں سرشاری کی لہریں دوڑانے لگے کہ اُس کی قافلہ سالاری میں بڑھنے والا قافلہ خودی اور خود آگاہی کا جوہر، اپنا زاویۂ فکر و نظر اور صدائے قلب و جگر بنا چکا ہے اور آج اس قافلہ کا اپنا تشخص، اس کا ایمان اور اس کی پہچان ہے اور قافلہ والوں کو اپنی پہچان عزیز از جان ہے۔ تو اس کی آنکھوں میں بہجت و انبساط اور مسرت و اطمینان چھلکا پڑتا ہے۔ واقعی! بڑی خوش بختی کے غماز ہوتے ہیں وہ لمحات! اور اگر ..." میں کچھ اور کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ بزرگ نے عجیب بے نیازانہ لہجے میں نعرہ بآوازِ بلند دھراتے ہوئے پھر میرے سلسلۂ کلام کو منقطع کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

؎ گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا۔

ویسے میں جب بزرگ کو مضمون سنا رہا تھا تو بزرگ کے چہرے کی کیفیات بھی میری توجہ کا مرکز رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر کبھی جلال کی سرخی دوڑنے لگتی تو کبھی چہرہ بالکل سپاٹ مگر جمالیاتی شاہکار بن کر رہ جاتا۔ کبھی پیشانی پر کوئی متفکر سی شکن نمودار ہوتی تو دوسرے ہی لمحے ایک دلنواز تبسم میں ڈھل کر اس کے ہونٹوں پر رقصاں ہو جاتی۔ میں جو اب تک سوچنے، سمجھنے اور کہہ لینے سے عاری، صرف بزرگ کی شخصیت میں کھو کر محسوسات کا پیکر بن کر رہ گیا تھا۔ آخر بول اٹھا کہ

" اے بزرگِ عالی مرتبت! میں آپ سے تعارف کا خواہش مند ہوں، خدارا اس التجا کو ٹھکرایئے گا نہیں" یہ سننا تھا کہ معاً اس کی کیفیت بدل گئی۔ مجھے ایک بھرپور نگاہ سے نوازتے ہوئے اچانک اس نے نگاہیں ہٹائیں اور ایکا ایکی قلندرانہ لے میں بولنا شروع کر دیا۔

" چوالیس برس لوگوں کو قرآن سنایا، پہاڑوں کو سناتا تو عجب نہ تھا کہ انکی سنگینی کے دل چھوٹ جاتے۔ غاروں سے ہم کلام ہوتا تو جھوم اُٹھتے۔ چٹانوں کو جھنجھوڑتا تو چلنے لگتیں، سمندروں سے مخاطب ہوتا تو ہمیشہ کیلئے طوفان بکنار ہو جاتے۔ درختوں کو پکارتا تو وہ دوڑنے لگتے۔ کنکریوں سے کہتا تو وہ لبیک کہہ اُٹھتیں۔ صرصر سے گویا ہوتا تو صبا ہو جاتی۔ دھرتی کو سناتا تو اس کے سینے میں بڑے بڑے شگاف پڑ جاتے۔ جنگل لہرانے لگتے۔ صحرا سرسبز ہو جاتے افسوس میں نے اُن لوگوں میں معرفات کا بیج بویا جن کی زمینیں ہمیشہ کے لئے بنجر ہو چکی تھیں جن کے ضمیر قتل ہو چکے تھے جن کے ہاں دل و دماغ کا قحط تھا جن کی بستیاں انتہائی خطرناک تھیں جو برف کی طرح ٹھنڈے تھے۔ جن میں ٹھہرنا المناک اور جن سے گذر جانا طربناک تھا جن کے سب سے بڑے معبود کا نام طاقت تھا جو صرف طاقت کی پوجا کرتے تھے۔ تیرہ سو برس کی تاریخ انہی حادثوں کی کہانی ہے۔ انہی چھچھورے، ناسمجھ اور متحرک جانوروں کو دیکھ کر زرتشت نے کہا تھا کہ" اس کا آنسوؤں اور گیتوں کی طرف میلان ہوتا ہے۔ یہاں امراء دوزخ کے کتے اور سیاستدان کھٹّی تتے ہیں۔ ان کے ساتھ نٹ اور انکے پیچھے لاشیں چلتی ہیں۔ انکی واحد خوبی یہ ہے کہ ہر نیکی اور برائی کی زبان میں جھوٹ بول لیتے ہیں"۔ بیٹا! ڈھونڈ سکتے ہو تو ان افکار میں میری سوانح عمری کی بنیادیں اور میرا تعارف ڈھونڈ لو۔" اور پھر اس نے ایک کربناک مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا اور کہا" ہاں سنو ۲۱ اگست سے میرا تعلق! شاید تم مجھے نہیں پہچانتے۔ میں وہی ہوں جو ۲۱ اگست کو قوم سے رخصت ہوا اور تم؟ تم مضمون لکھتے اور پڑھتے رہے..." وہ کچھ اور بھی کہتے مگر میں "شاہ جیؒ" کہہ کر اُن سے لپٹ گیا۔ میں نے کہا" شاہ جیؒ" آپ نے ٹھیک ہی تو کہا تھا کہ

© rasailojaraid.com